قسط:۱۹

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

لدھیانہ (بھارت) روانگی:

کوئٹہ سے واپس آ کر زرعی کالج کی ہاکی ٹیم لدھیانہ (بھارت) جانے کی تیاریوں مصروف ہوگئی۔ زرعی کالج کا غیر مسلم سٹاف جس میں ہندو اور سکھ پروفیسر شامل تھے وہ قیام پاکستان کے بعد بھارت چلے گئے تھے اور انہوں نے لدھیانہ کے اندر وہاں کی حکومت کی سرپرستی میں ایک زرعی کالج قائم کر لیا تھا۔ لدھیانہ کے زرعی کالج کا رابطہ لائل پور کے زرعی کالج کے ساتھ رہا تو ان دونوں کالجوں کے سٹاف کی معاونت سے یہ طے پایا کہ پہلے لائل پور (پاکستان) کی ہاکی ٹیم پاکستان میں زرعی کالج ہاکی ٹیم لدھیانہ کا دورہ کرے اور اُس کے بعد لدھیانہ زرعی کالج (بھارت) کی ہاکی ٹیم پاکستان میں زرعی کالج کا دورہ کرے گی۔ یہ اسی فیصلہ کا نتیجہ تھا کہ ہم کوئٹہ کے میچ کے بعد لدھیانہ جانے کے لیے تیار ہوئے۔ پاسپورٹ وغیرہ کالج والوں نے بنوا لیے اور ہم ایک مضبوط ہاکی ٹیم لے کر لدھیانہ روانہ ہوئے۔ ہمارے ٹیم میں تین چار بڑے نامور کھلاڑی شامل تھے۔ جن میں چودھری غلام رسول جو بعد میں اولمپک کھلاڑی کے طور پر بین الاقوامی سطح پر معروف ہوئے ان کے علاوہ منظور باجوہ اور ارشد چودھری بھی اُن کھلاڑیوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی شہرت پاکستان کے علاوہ بھارت میں بھی تھی۔ چودھری ارشد ''رائٹ ان'' چودھری غلام رسول ''رائٹ ہاف'' کی پوزیشن پر کھیلتے تھے۔ انہوں نے ایک الگ کلب بھی بنا رکھا تھا جو افغان کلب کے نام سے مشہور تھا۔ افغان کلب لاہور میں جالندھر کے پٹھانوں کی اکثریت تھی اور کرشن نگر اس کلب کا مرکز تھا جہاں اُن کا الگ ہاکی گراؤنڈ بھی تھا، اور نیاز خان اس کلب کے کپتان تھے جو ۱۹۵۲ء کے اولمپک میں پاکستان ہاکی ٹیم کے بھی کپتان تھے اور اس اولمپک میں پاکستان نے ہندوستان کی ٹیم سے شکست کھائی تھی۔ یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ اُسی سال جس میں پاکستان کو اس بین الاقوامی ٹورنامنٹ میں شکست ہوئی ہمارا لدھیانہ کا ''ٹور'' بھی اسی سال یعنی نومبر ۱۹۵۲ء میں ہوا۔

اوپر ذکر کیے گئے معروف کھلاڑیوں کے علاوہ ہماری ٹیم میں ''انور باٹا'' جو سنٹر فارورڈ کی پوزیشن پر کھیلتا تھا اور جیلانی شاہ جو لفٹ آؤٹ کی پوزیشن پر کھیلتا تھا دونوں شامل تھے۔ یہ دونوں اگرچہ ہمارے کالج کے کھلاڑی نہیں تھے تاہم ہم نے اپنی ٹیم کو مضبوط بنانے کے لیے انہیں ٹیم میں شامل کر لیا تھا۔ مگر لدھیانہ روانہ ہونے والی اس ٹیم میں اکثریت کالج کے کھلاڑیوں کی ہی تھی۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب جو کہ کوئٹہ کے سفر میں ہمارے انچارج اور نگران تھے وہ ہی اس ٹیم کے ساتھ بطور نگران اعلیٰ ہمارے ساتھ تھے۔

فیروز پور بارڈر سے بھارت میں داخلہ:

تاریخ مقررہ پر ہم لاہور سے قصور اور قصور سے فیروز پور بارڈر پہنچے تو سرحد پر بھارت اور پاکستان کے فوجی موجود

تھے جو سرحد پر ایک میز رکھ کر اُس پر تاش کھیل رہے تھے۔ بارڈر کے اس طرف ہماری ٹیم تھی اور بارڈر کے دوسرے طرف ہمیں لدھیانہ لے جانے والے لدھیانہ کے زرعی کالج کے پروفیسر اور کالج کے چند کھلاڑی ہمارے سامنے موجود تھے۔ دونوں اطراف سے ہم نے ایک دوسرے کو ہاتھ ہلا کر استقبال کیا۔ جب ہم بارڈر کی چیکنگ سے فارغ ہوئے تو سرحد (بارڈر) کراس کے کے اپنے میزبانوں کے سامنے تھے اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے دونوں طرف سے انتہائی پُر جوش ماحول تھا۔ تقریباً دس پندرہ منٹ تک ہم لدھیانہ کے اس وفد کے ساتھ مصروف گفتگو رہے۔ اُس وقت ساری فضا قہقہوں سے گونج اٹھی جب لدھیانہ کے زرعی کالج کے ایک دراز قامت پروفیسر سردار بشن سنگھ جو بڑے ہی دراز قامت اور مضبوط جسم کے تھے اُنہوں نے مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اٹھا لیا جیسے کسی بچے کو اُٹھا لیا جاتا ہے اور ساتھ ہی کہا کہ ''مجھے تو یہ چھوٹا سا ہاکی کھلاڑی بڑا اچھا لگا ہے'' کافی دیر تک اُنہوں نے مجھے اپنے ہاتھوں میں جکڑے رکھا یاد رہے کہ ان تمام کھلاڑیوں میں سب سے کم عمر تھا اس لیے مجھ کو اس طرح اٹھایا جا سکتا تھا۔ بہر حال ہم ایک دریا کا پل کراس کر رہے تھے اس دریا سے ایک نہر نکالی گئی تھے جس کا پانی ایک بڑے آہنی پھاٹک کے ذریعے روک دیا گیا تھا۔ ہم دونوں وفود دریا کے پل سے گزرے تو میں نے اپنے چند ساتھیوں کو اشارہ کر کے دبی زبان میں یہ کہا کہ دیکھو اس نہر کا پانی روک دیا گیا ہے۔ غالباً یہ نہر پاکستان کے کچھ علاقوں کو سیراب کرتی ہے۔ دوستوں نے میری بات کی تصدیق کی۔ دریا کے پل سے ہم اُس جگہ تک پہنچے جہاں پر وہ بس کھڑی تھی جس کے ذریعے ہم نے لدھیانہ روانہ ہونا تھا۔ یہاں پر تین اہم کھلاڑی جن کے ساتھ میں لدھیانہ گیا۔ اُن کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں:

ا۔ چودھری غلام رسول مرحوم:

مرحوم چودھری غلام رسول معروف ہیں۔ وہ روم اولمپک ۱۹۶۰ء میں پاکستان کی اُس ٹیم کے نائب کپتان تھے، جس نے بھارت کو پہلی دفعہ شکست دے کر یہ اولمپک جیتا تھا۔ نصیر بُندہ وہ کھلاڑی تھے جنھوں نے وہ واحد گول پاکستان کی طرف سے کیا تھا جس نے پاکستان کو فتح سے ہمکنار کیا۔ پاکستان کی اُس ٹیم کے کپتان مشہور کھلاڑی میجر حمید تھے۔ جو ''میدی'' کے نام سے ہاکی کی دنیا میں مشہور ہیں۔ وہ واپسی پر یورپ میں اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ رہ گئے، اس لیے اس فاتح ٹیم کا استقبال جو پاکستان پہنچنے کے بعد ہوا، اس میں چودھری غلام رسول ہی کپتان تھے۔ چودھری غلام رسول ہاکی کے حوالے سے ایک بڑا اور اہم نام ہے۔ ان کے بیٹے اختر رسول نے بھی پاکستان ہاکی ٹیم میں اپنے باپ کی طرح بڑا اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ سنٹر ہاف کی پوزیشن پر وہ ایسے معروف ہوئے۔ اُس وقت دنیا میں اُن کے مقابلے میں کوئی ایسا سنٹر ہاف نہیں تھا جسے اُن کے مقابلے کا سنٹر ہاف کہا جائے۔ آج کل اختر رسول پاکستان ہاکی ٹیم کے منیجر ہیں اور اُن کے بیٹے شفقت رسول پاکستان ہاکی ٹیم کے رکن ہیں۔ چودھری غلام رسول ہاکی سے ریٹائر ہونے کے بعد بڑے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ اب محکمہ بحالیات میں ملازم ہوئے۔ اُس کے بعد وہ ایچ ای سن کالج لاہور میں بطور پروفیسر بھی کام کرتے رہے۔ اور پھر بعد میں زرعی کالج نے جب یونیورسٹی کا درجہ حاصل کیا، تو اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ میرے ساتھ اُن کے مراسم تھے اور انتہائی خوش کن تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مجھے گورنمنٹ کالج سے زرعی کالج لے جانے کے بعد انھوں نے ہاکی تربیت میں بھی مجھے بہت کچھ دیا تو بے جا نہ ہوگا۔ پورا ایک سال

میں اُن کے ساتھ بطور ''رائٹ آف'' کھیلتا رہا۔ جبکہ وہ میرے ساتھ بطور سنٹر ہاف کی پوزیشن پر کھیلے۔ مجھے کھیل کے دوران ہی بہت کچھ بتا دیتے تھے۔ اُن کی ہدایت پر عمل کرنے سے میرا کھیل پہلے کی نسبت بہت زیادہ بہتر ہوا۔ وہ کہتے تھے کہ تمہارا شوق تمھیں ایک دن اچھا کھلاڑی بنا دے گا۔

۲۔ارشد چودھری:

ارشد چودھری بھی زرعی کالج کے طالب علم تھے۔ ایم ایس ای کا امتحان پورے کالج میں ریکارڈ نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ پھر بعد میں وہ زرعی یونیورسٹی میں رجسٹرار کے طور پر کام کرتے رہے۔ وہ ایک ایسے خاندان کے فرد تھے جو فیصل آباد میں ہاکی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اُن کے سب سے بڑے بھائی افضل، اُن کے بعد اسلم اور پھر اُن سے چھوٹے بھائی اختر ہاکی کے حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ اختر نے بھی اپنے بڑے بھائی ارشد کی طرح ہاکی کے حوالے سے شہرت حاصل کی۔ اس کے علاوہ ارشد چودھری پاکستان ہاکی ٹیم کے منیجر کے طور پر بھی قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ پاکستان ہاکی ٹیم نے کئی ممالک اور بین الاقوامی ہاکی ٹورنامنٹ میں شرکت اُن کی قیادت میں کی۔ کافی عرصے تک وہ پاکستان ہاکی ٹیم کے منیجر کے طور پر بیرونِ ملک ٹیم کے ساتھ گئے۔ اُن کے ساتھ بھی میرے دوستانہ مراسم تھے۔ میں اُن کی عزت کرتا۔ وہ مجھ سے پیار کرتے تھے اور کبھی کبھی بے تکلفی کی فضا میں بھی اُن سے بات چیت ہو جاتی تھی۔ اُن کا ذکر آئندہ بھی میری تحریر میں آئے گا۔

۳۔منظور باجوہ مرحوم:

جب میں زرعی کالج میں داخل ہوا تو منظور باجوہ غلام رسول کے ساتھ ایم ایس ای فائنل میں تھے۔ انھوں نے بھی میرے ساتھ ہمیشہ تعاون کیا اور اُن کے کھیل کا معیار اتنا بلند تھا کہ پاک و ہند میں اُن کے مقابلے کا کوئی ''فل بیک'' نہیں تھا۔ لیکن ستم ظریفی یہی تو ہے کہ وہ اس کے باوجود پاکستان کی ہاکی ٹیم میں اپنی جگہ نہ بنا سکے یا پھر انھیں جگہ نہ بنانے دی گئی۔ بہرحال ہاکی کے حوالے سے اُن کا نام ایک بہت اہم نام ہے۔ اگر کوئی ہاکی کے حوالے سے پاکستان کی تاریخ مرتب کرے تو منظور باجوہ کو نظر انداز نہ کر سکے گا۔ وہ اپنا تعلیمی دور ختم کرنے کے بعد محکمہ زراعت میں ملازم رہے اور ایک بڑے عہدے پر فائز ہو کر محکمہ زراعت کی خدمت کرتے رہے۔ میرے ساتھ اُن کا سلوک انتہائی مخلصانہ رہا۔ وہ مجھے چھوٹے بھائی کی طرح پیار کرتے اور میں بھی اُنہیں بڑے بھائی کی طرح ادب و احترام کے ساتھ پیش آتا۔ میرا چھوٹا بھائی نصیر جو زراعت کے محکمے میں ملازم تھا اس پر بھی وہ مہربان رہے، ہاں تو بات ہو رہی تھی لدھیانہ روانگی کی۔ بس میں گپ شپ ہوتی رہی۔ غلام رسول، منظور باجوہ اور ارشد چودھری تو انہیں بطور استاد بھی جانتے تھے۔ لیکن ہم جونیئر کھلاڑی تھے وہ آپس میں ہی زیادہ گفتگو کرتے اپنے اردگرد کے ماحول سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سڑک کے کنارے ایک لڑکی کو سائیکل چلاتے دیکھ کر ہمارے سکھ میزبان نے بس کے اندر بلند آواز سے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہا دیکھو ہمارے ہاں لڑکیاں کتنی ماڈرن ہیں کہ سڑک پر سائیکل چلا رہی ہیں۔ کیا آپ کے پاکستان میں ایسا ممکن ہے؟ جس طرح ہماری لڑکیاں آپ کی لڑکیوں سے اس میدان میں آگے ہیں۔ ان شاءاللہ ہماری ہاکی ٹیم بھی آپ سے آگے ہی رہے گی اس پر چودھری غلام رسول نے جواب دیا ''یہ تو جب میدان سجے گا تو واضح ہو جائے گا کہ کون کس سے آگے ہیں؟''

بس کے اس سفر میں ہی مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ ہمارے یہ میزبان انتہائی بے تکلف اور بڑے اچھے مزاج کے ہیں اور لدھیانہ میں قیام کے چند دن بڑے اچھے گزریں گے۔ مجھے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ میں ایک مرتبہ پاکستان بننے سے پہلے دہلی (بھارت) میں رہا تھا اور اب پاکستان بن جانے کے بعد بھی بھارت کے کسی شہر میں چند دن رہوں گا۔ لیکن کبھی کبھی یہ خواہش جب دل میں کروٹ لیتی کہ کاش دہلی کو ایک مرتبہ پھر دیکھ لیتا تو مزہ کرکرا سا ہو جاتا تھا۔ کہ ویزہ تو ہمارا صرف اور صرف لدھیانہ میں ہی قیام کا تھا اور دہلی جانا سرے سے ممکن ہی نہیں تھا پھر ''دہلی ہنوز دوراست'' کہہ کر خاموش ہو رہتا۔

لدھیانہ پہنچ گئے:

ہم رات کو کسی وقت میں لدھیانہ شہر میں تھے۔ ہمارا قیام گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے خوبصورت ہوسٹل میں تھا۔ جس کے ساتھ ہی ''کالج ٹریک'' کا وسیع گراؤنڈ جس کے ساتھ ہاکی کا گراؤنڈ تھا اور اس کے ساتھ ہی کالج کی خوبصورت عمارت تھی۔ رات گئے تک ہمارے سکھ میزبان ہمارے ساتھ گپ شپ میں مصروف رہے۔ صبح اٹھ کر ہم نے ہاکی گراؤنڈ میں ہلکی ورزش کی اور میچ کی تیاری اور ٹیم کے لیے سوچنا شروع کیا۔ شہر میں ہماری آمد کا چرچا تھا۔ شہر کے لوگ سارا دن ٹولیوں کی صورت میں ہمیں ملنے کے لیے آئے۔ پوچھنے پر وہ یہی بتاتے کہ ہم صرف آپ کو دیکھنے کے لیے آئے ہیں کہ پاکستان سے ہاکی ٹیم آئی ہے۔ شام کو جب میچ شروع ہوا تو لوگوں نے اپنی ٹیم کے علاوہ ہماری بھی حوصلہ افزائی کی، میچ برابر ہوا۔ لیکن لوگوں نے ہمارے اس میچ پر بڑے اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔ لدھیانہ کی ہاکی ٹیم سکھ کھلاڑیوں پر ہی مشتمل تھی خاص طور پر اُن کے فل بیک پرتھی پال سنگھ کے کھیل سے ہم سب انتہائی متاثر ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے کھلاڑی سکھ دیو سنگھ نے بھی ہمیں خوب متاثر کیا۔ میچ انتہائی اونچے معیار کا تھا اور ہمیں احساس ہوا کہ ہماری مضبوط ٹیم کے مقابلے میں لدھیانہ زرعی کالج کی ٹیم بھی اتنی ہی مضبوط ٹیم ہے۔

رات کو ہمارے پاس لدھیانہ کی ہاکی ٹیم کے کھلاڑی آ کر ہمارے ساتھ گفتگو میں مصروف رہے۔ پرتھی پال سنگھ نے میرے پاس بیٹھ کر میری بڑی تعریف کی اور ہم دونوں کافی دیر تک آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ بعد میں یہی پرتھی پال سنگھ آل انڈیا ٹیم کے نامور کھلاڑی کے طور پر ابھرے اور جب وہ اپنے عروج پر تھے تو اُنہیں ''کنگ آف پلنٹی کارنر'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ روزانہ ہماری میچ ہوتے رہے اور لوگ بڑے شوق کے ساتھ میچ دیکھنے کے لیے آتے اور ہمارے میچ سے لطف اندوز ہوتے۔

ہم سب ان سکھوں کی خدمت اور ان کے خلوص سے متاثر ہوئے۔ لیکن ہم بار بار آپس میں اس بات پر تبصرہ کرتے کہ یہ سکھ تو بڑے اچھے ہیں۔ نہ جانے انہوں نے قیام پاکستان کے وقت مسلمانوں کے خلاف اتنا جارحانہ رویہ کیوں اختیار کیا، اتنے اچھے لوگوں سے اتنا وحشی اور ظالمانہ رویہ کیسے ممکن ہوا۔ ایک رات جب ہم حسبِ معمول اکٹھے تھے اور بڑے بے تکلّف ماحول میں آپس میں گپ شپ میں مصروف تھے تو میں نے اپنے سکھ کھلاڑی پر یہی سوال کر دیا کہ آپ نے تو ہمیں اپنے مخلصانہ اور دوستانہ سلوک اور رویے سے اتنا متاثر کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے لیکن ہم حیران اس بات پر ہیں کہ آخر قیام پاکستان کے وقت آپ کو کیا ہو گیا تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں آپ نے مسلمان عورتوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو تہ تیغ کیا۔ آخر اس کی

کوئی وجہ تو ہوگی۔ جواب میں سب کی یہی رائے تھی کہ دراصل یہ سب کچھ ہمارے اس وقت کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ کا کیا دھرا تھا۔ جو ہندوؤں کے جھانسے میں آ گیا تھا۔ ہم آج تک اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور جو کچھ ہماری قوم اور ہم مذہب لوگوں نے آپ مسلمانوں کے ساتھ کیا اس پر ہم نادم بھی ہیں اور معذرت خواہ بھی۔

صبح کوہاکی میں ہمارا میچ ہوتا تو رات کو ہمارے درمیان لطیفہ بازی کا بھی مقابلہ ہوتا۔ وہ سب لطیفے جو ہم سکھوں کے اُنہیں سناتے وہ جواب میں ہمیں مولویوں کے حوالے سے سنا دیتے۔ کمال یہ تھا کہ ہمارے سکھوں کے بارے میں جو لطیفے ہوتے وہ اُن سے ہم سے بھی زیادہ لطف اندوز ہوتے اور پل بھر میں قہقہوں سے فضا گونج گونج اٹھتی۔ کوئی اس کا برا نہ مناتا تھا۔

ایک دن میں نے اپنے جونیئر کھلاڑیوں کے ساتھ لدھیانہ کے نولکھا سینما میں فلم دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ اپنے نگران اعلیٰ سے اجازت بھی لے لی۔ لیکن جب ہم سینما ہال میں گئے تو ہم پر ایک خوف سا طاری تھا کہ اگر یہاں پر پتہ چل گیا کہ ہم ہندو نہیں مسلمان ہیں تو پھر ہمارا کیا ہوگا۔ بہرحال یہ مرحلہ بھی بخوبی طے ہوا کہ کسی کو اس بات کا پتہ ہی نہ چل سکا اور ہم فلم دیکھ کر بخیریت واپس اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ اس کے بعد ہم اکیلے شہر دیکھنے کے لیے بھی بازار میں ادھر ادھر گھومنے کے لیے نکل جاتے تھے۔ لیکن خوف ہمارے سروں پر مسلّط رہتا۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ہم تین چار ساتھی ایک بازار سے گزر رہے تھے کہ ہمارے پاس چند ہندو عورتیں چنیوٹی لہجے میں اونچی اونچی باتیں کرتی ہوئی گزریں۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو ہمارے چنیوٹ کی ہندو عورتیں جا رہی ہیں۔ ساتھیوں نے کہا کہ جاؤ اپنے وطن کی عورتوں سے ملو وہ بڑی خوش ہوں گی۔ میں نے جواب دیا نہ بابا میں یہ کام نہیں کر سکتا اگر کوئی اُلٹا کام ہو گیا تو ہم سب کا نہ جانے کیا حشر ہوگا۔ یہ خوف اس لیے بھی تھا کہ پاکستان کے قیام کو ابھی چند برس ہی گزرے تھے اور عوام کے اندر خدشہ تھا کہ وہی وحشیانہ جذبات ہوں جو قیام پاکستان کے وقت تھے۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ہم ایک ٹانگے میں سکھ کھلاڑیوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ بے ساختہ میں نے پوچھ لیا کہ کیا وقت ہوا ہے؟ آگے بیٹھے ہوئے سکھ کھلاڑیوں میں سے کسی نے کہا کہ بارہ بجنے میں تین منٹ باقی ہیں تو دوسرے نے کہہ دیا نہیں پانچ باقی ہیں۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ ٹانگے کے پیچھے ایک سکھ سائیکل سوار نے اپنا سائیکل ٹانگے کے ساتھ دے مارا اور زمین پر گر پڑا۔ آگے بیٹھے ہوئے سکھ کھلاڑیوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک نے کہا کہ بھائی اپنی اپنی گھڑیاں ٹھیک کر لو بارہ اب بجے ہیں۔ اس پر ہم سب کھلاڑی ہنس پڑے۔ انہیں کبھی بھی خیال نہیں آتا تھا کہ ہم اُن کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں وہ خود ایسی بات کہہ دیتے جس سے ہمارے درمیان بے تکلّفی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

جالندھر شہر:

ایک دن ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے نگران اور مینجر جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب جالندھر میں پاکستان ہائی کمشنر راجہ غضنفر علی سے ملنے جا رہے ہیں۔ ہم نے اُن کے ساتھ جالندھر جانے کی ضد کی۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارا ویزہ صرف لدھیانہ کا ہے آپ لوگوں کا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔ ہم نے کہا سر کوئی بات نہیں کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ آپ ہمیں ساتھ لے چلیں۔ بالآخر ہم اپنی ضد میں کامیاب ہو گئے اور چند جونیئر کھلاڑی اُن کے ساتھ جالندھر کے لیے جنتا ایکسپریس کے ذریعے روانہ ہوئے۔

جالندھر ریلوے سٹیشن پر اُترے تو ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب نے کہا کہ آپ لوگ زیادہ دور نہیں جائیں گے۔ بس سٹیشن کے قرب وجوار میں ہی رہیں گے اور کوشش کریں کہ کسی سے کوئی بات چیت نہ ہو بس آپس میں گفتگو کرنا، کہیں یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ آپ پاکستان سے ہیں۔ میں چند گھنٹوں کے بعد آپ کو یہیں سٹیشن کے سامنے ملوں گا، وہ چلے گئے تو پھر ہم نے جالندھر کے اُس حصہ کا جائزہ لیا۔ بڑی رونق تھی۔ لوگوں کی بھیڑ ادھر ادھر سبھی جگہ پر موجود تھی۔ ہمارے سامنے جالندھر کی غلہ منڈی تھی ہم اس میں چلے گئے۔ بس ادھر ادھر گھومتے رہے۔ منڈی کے ساتھ ہی ایک تنگ سا بازار تھا ہم نے کہا کہ چلو بازار کی ہی سیر کرتے ہیں۔ ہم بازار میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے انتہائی پررونق بازار تھا۔ دکانیں بھی اچھی خاصی تھیں۔ سامنے ایک بزرگ کا مزار تھا۔ ایک ساتھی نے کہا کہ چلو مزار کے اندر چلیں اور فاتحہ پڑھ لیں۔ میں نے کہا کہ نہیں اندر نہیں جانا بس باہر سے دیکھ لوگ۔ لوگوں کو یہ پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور پھر دیر بھی ہو جائے گی چنانچہ تم یہ بازار دیکھ کر واپس سٹیشن کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ جس کے بعد جلدی ہی ڈاکٹر صاحب بھی واپس آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی بڑی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تمہیں یہاں لا کر میں نے بڑی غلطی کی ہے راجہ صاحب کو میں نے آپ کے بارے میں بھی بتا دیا تو وہ انتہائی ناراض ہوئے اور کہا کہ:

''فوراً اپنے لڑکوں کو لے کر واپس لدھیانہ چلے جاؤ اگر کہیں پتہ چل گیا کہ یہ بغیر ویزہ کے یہاں پھر رہے ہیں تو گرفتاری بھی ہوگی اور میرے لیے بھی مسئلہ بنے گا۔''

یہ سن کر ہم سب بڑے پریشان ہوئے۔ ریل گاڑی کا انتظار بڑی بے چینی کے ساتھ کرنے لگے۔ سٹیشن کے اندر آ گئے اور جب جنتا میل آئی تو جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئے اور بخیریت لدھیانہ واپس آئے تو اللہ کا شکر ادا کیا۔

میری زندگی کا ایک تاریخی میچ:

ایک رات حسب معمول اکٹھے تھے اور زرعی کالج کے پروفیسر بھی ہمارے درمیان تھے تو ہمیں اُن کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ ہم نے ''ایسٹ پنجاب پولیس'' کے ساتھ ایک ایسا میچ طے کر لیا ہے کہ جس میچ میں آپ کی ٹیم اور ہماری ٹیم کے اچھے کھلاڑی حصہ لیں گے۔ لہٰذا اب بیٹھ کر دونوں ٹیموں میں سے وہ کھلاڑی چن لیے جائیں تا کہ ایک مضبوط ٹیم اُن کے سامنے لائی جائے۔ انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ایسٹ پنجاب کی پولیس ٹیم میں تین چار کھلاڑی آل انڈیا ہاکی ٹیم کے بھی ہیں جنھوں نے اسی سال ۱۹۵۲ء کے اولمپک میں حصہ لیا ہے یہ ایک بہت ہی مضبوط ٹیم ہوگی اس لیے ہمیں ایک بہت ہی مضبوط ٹیم ان کے سامنے میدان میں لانی چاہیے۔ اس کے ساتھ ہاکی کے لیے مختلف کھلاڑیوں کا چناؤ ہوا تو جو ٹیم انہوں نے ترتیب دی وہ کچھ اس طرح کی تھی۔

گول کیپر لدھیانہ زرعی کالج کا۔ فل بیک منظور باجوہ ہماری ٹیم کا اور دوسرا فل بیک پرتھی پال سنگھ لدھیانہ زرعی کالج کا اسی طرح ''رائٹ ہاف'' کے لیے مجھے چن لیا گیا۔ اس پر میں خوش بھی ہوا اور پریشان بھی کہ اتنا بڑا میچ میں کیا اچھا کھیل بھی پاؤں گا یا نہیں۔ سنٹر ہاف کے لیے چودھری غلام رسول اور لفٹ ہاف کے لیے زرعی کالج کے سُکھ دیو آنند سنگھ جو انتہائی اچھے کھلاڑی تھے۔ رائٹ آؤٹ بھی لدھیانہ کالج کے تھے جن کا نام اب مجھے یاد نہیں ہے اور رائٹ ان

چودھری ارشد، سنٹر فارورڈ ہماری ہی ٹیم کے انور باٹا چن لیے گئے اور لف ان میرے سکول کے دوست بشیر کا چناؤ ہوا اور لیفٹ آؤٹ بھی ہماری ہی ٹیم کے جیلانی شاہ چنے گئے۔

اس میچ کو دیکھنے کے لیے شہر کے لوگوں کی کثیر تعداد ہاکی گراؤنڈ آئی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس میچ کے لیے باقاعدہ شہر میں اعلان بھی ہوا۔ میچ شروع ہوا تو پورا گراؤنڈ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ معززین شہر کرسیوں پر براجمان تھے۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ میں جب بھی زیادہ تعداد میں لوگوں کے سامنے کھیلتا تو زیادہ بہتر کھیل کا مظاہرہ کرتا تھا۔ بعض کھلاڑی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اچھا کھیلتے ہیں مگر مجمع زیادہ ہو جائے تو کھیل بھول جاتے ہیں۔ میرا معاملہ اس کے برعکس تھا کہ مجمع جتنا زیادہ ہوتا میں اتنا ہی بہتر کھیل لوگوں کے سامنے پیش کرتا۔

میچ شروع ہوا تو پہلے ہی چند منٹوں میں کھیل کا معیار انتہائی بلندی پر تھا۔ دونوں اطراف کے کھلاڑی اپنی اپنی پوزیشن پر بڑے معیاری کھیل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ لوگ ہر اچھی Move پر دل کی گہرائیوں سے دونوں طرف کے کھلاڑی کو داد دے رہے تھے جیسے ہی پبلک کی طرف سے داد ملتی کھلاڑیوں کے کھیل کے معیار میں اضافہ ہو جاتا۔ ہاف ٹائم تک دونوں ٹیمیں برابر تھیں۔ اور جب میچ ختم ہوا تو بھی نتیجہ وہی تھا جو ہاف ٹائم کے وقت تھا۔ ایسٹ پنجاب کے ہر کھلاڑی نے ہمارے ہر کھلاڑی کو اچھے کھیل پر داد دی خصوصاً منظور باجوہ، ارشد چودھری اور غلام رسول کے کھیل کو مخالف کھلاڑیوں نے بہت سراہا، کچھ لوگ میرے اردگرد بھی آئے اور مجھے بھی داد دی اور کہا کہ اس عمر میں اور اس قد و قامت میں آپ نے تو حیران کن کھیل پیش کیا۔ ایسٹ پنجاب کے ایک کھلاڑی جو ۱۹۵۲ء کے اولمپک میں شرکت کر چکے تھے وہ بھی میرے پاس آئے اور انہوں نے بھی اچھا کھیل پیش کرنے پر مجھے بہت سراہا اور شاباش دی میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

میچ کے بعد جب ہم چائے کے لیے اکٹھے بیٹھے تو اتفاق ہی سمجھئے کہ جو کھلاڑی میرے ساتھ بیٹھے وہ آل انڈیا کے رائٹ آؤٹ تھے جو ۱۹۵۲ء میں انڈیا کی طرف کھیل کر آئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اولمپک میں ہماری پاکستان کی ہاکی ٹیم کی شکست کی کچھ وجوہات بیان کریں گے؟ انہوں نے بتایا کہ:

''آپ لوگ اس سلسلے میں بڑے بدقسمت ہیں بین الاقوامی سطح پر کئی ٹورنامنٹ میں کامیاب نہیں ہوئے حالانکہ آپ کے ملک کے اندر ہاکی کے بہترین کھلاڑی موجود ہیں۔ انہیں آپ موقعہ ہی نہیں دیتے۔ پھر آپ کی وہ انتظامیہ جو ٹیم کے ساتھ جاتی ہے وہ بھی اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے ادا نہیں کرتی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ آج کے کھیل میں جو کھیل آپ کے منظور باجوہ، ارشد چودھری اور چودھری غلام رسول نے پیش کیا ہے وہ اتنا معیاری ہے کہ انہیں داد دینا پڑتی ہے لیکن اس کے باوجود انہیں آپ نے پاکستان ٹیم کے لیے سرے سے چنا ہی نہیں۔

انہوں نے مزید بتایا کہ لطیف مہر آپ ساتھ لے کے گئے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے زمانے کے مایہ ناز ہاکی کھلاڑی تھے اور انہوں نے قیام پاکستان سے یونائیٹڈ انڈیا کو کئی دفعہ بین الاقوامی ہاکی میں Represent بھی کیا لیکن اب وہ بوڑھے ہو گئے ہیں اس کے باوجود آپ نے اُنہیں ٹیم میں شامل کیا جو دس بارہ منٹ کے بعد کھڑے ہو گئے۔

اسی طرح آپ کے ٹیم منیجر بصیر شیخ نے ایک ''ریگولر پلیئر سنٹر ہاف اسلم کو باہر بٹھا کر اس کی جگہ عاطف کو سنٹر ہاف کے طور پر کھیلنے کے لیے مجبور کیا۔ حالانکہ وہ کہتا رہا کہ میں تو بطور فل بیک پاکستان کی ٹیم میں چنا گیا ہوں۔ یہ وہ غلطیاں ہیں جس کی وجہ سے آپ اولمپک میں کوئی اچھا شو نہ کر سکے۔ میں نے آج خاص طور پر آپ کے منظور باجوہ چیک کیا ہے لیکن اس نے میری ایک نہیں چلنے دی اور میں سے آؤٹ کلاس کرنے میں ہر طرح سے ناکام ہوا ہوں۔ یہ ہے آپ کی شکست اور ناکامی کی وجوہات جب تک آپ ان خرابیوں پر قابو نہیں پائیں گے آپ بین الاقوامی سطح پر کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکیں گے۔

میرے ساتھ والی کرسی پر ارشد چودھری بیٹھے ان ساری باتوں کو سن رہے تھے انہوں نے مجھے کہا کہ یار یہ جو تم اس کھلاڑی سے بات کر رہے تھے میں حیران تھا کہ تم نے اس کے ساتھ جس اعتماد کے ساتھ بات کی شاید ہم بھی نہ کر پاتے تعجب کی بات ہے تمہیں بات کرتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی اور تم بڑے اعتماد کے ساتھ بغیر کسی سے مرعوب ہوئے اپنی بات کرتے ہو۔ آخر ہمیں یہ کام کرنا کیوں نہیں آتا حالانکہ ہم تم سے عمر اور کھیل دونوں میں بہت سینئر ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ:

''میں احراری ہوں آپ احراری نہیں۔ یہ سب کچھ جماعتِ احرار کی عطا ہے کہ مرعوبیت تو کہیں ہمارے تصور میں بھی موجود نہیں ہوتی، ہم جب بھی جو کچھ جس کے سامنے کہتے ہیں اس پر ہمیں مکمل اعتماد بھی ہوتا، جرأت کے ساتھ بات کرنے کا سلیقہ ہمیں جماعت نے ہی سکھایا ہے۔''

اس تاریخی میچ کے بعد ہماری واپسی کی تیاری تھی دوسرے دن ہی ہمیں کسی گاڑی سے واپس فیروز بارڈر کی طرف روانہ ہونا تھا۔ لدھیانہ زرعی کالج کے کھلاڑی اور پروفیسر صبح سے ہی ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اُن کے ہر کھلاڑی نے ہمارے ہر کھلاڑی کو تحفے کے طور پر کچھ نہ کچھ دیا۔ مجھے پرتھی پال سنگھ نے ''دھیان چند'' جو متحدہ ہندوستان کا ایک بہت غیر معمولی اور ہر دل عزیز کھلاڑی تھا اس کی انگریزی زبان میں لکھی ہوئی ایک کتاب ''Goal'' دی اور اس کے علاوہ ایک البم دی جس میں پرتھی پال سنگھ کے دو فوٹو اور ایک فوٹو ان کی ہاکی ٹیم کا تھا مجھے بطور تحفہ دی۔ جس پر میں بہت ہی خوش ہوا کہ پرتھی پال سنگھ جو اُن کی ٹیم کا سب سے بہترین کھلاڑی ہے اس نے تحفہ کے لیے مجھے چنا۔ اس کے بعد جب ہم بس پر سوار ہو رہے تھے تو ہمیں ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ مدت کے آشنا ایک دوسرے جدا ہو رہے ہیں۔ چند دنوں کی رفاقت برسوں کی رفاقت محسوس ہوئی اور ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں کہ ہم آپ کی محبت آپ کی خدمت اور آپ کے خلوص کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ادھر ان کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے جو ہمیں الوادع کہہ رہے تھے۔ لیکن اس بات کی خوشی بھی تھی کہ جلد ہی اُن سے دوبارہ ملاقات ہوگی کیونکہ انہوں نے جواباً فیصل آباد آ کر ہمارے ساتھ کھیلنے کا اعلان اُسی وقت کر دیا گیا تھا

دو بول تیرے پیار کے وہ کام کر گئے
ہاں موسمِ خزاں میں جو بادِ صبا کرے